ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

گوانتاناموبے میں قید ''آزاد شاعری''

انسانی چیخوں سے گونجتے ہوئے پرہول ماحول میں سسک سسک کر جینے پر مجبور، گوانتاناموبے میں قید اپنے پیاروں سے کوسوں دور......درد کے جھروکوں سے جھانکتے اور انتظار کی خستہ چادر میں امید کا پیوند ٹانکتے ہوئے ''چند قیدی''......اب اپنے کرب کا اظہار اُن کاغذی برتنوں پر ''اشعار'' لکھ رہے ہیں جن کے بارے میں انھیں یہ گمان ہے کہ شاید بے رحموں کی صفوں میں کوئی ''کم بے رحم'' ان کے جذبات ان کے گھر والوں یا اپنوں تک پہنچا دے گا......اس بے ربط شاعری کو حالات نے ربط دے دیا ہے......گو کہ مصرعے وزن سے خالی ہیں مگر اخلاقیات کے وزن سے فخریہ دہرے ہونے والے ان بے وزن مصرعوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں......ایک امریکی صحافی لیونارڈ ڈوئل (Leonard Doyle) کے توسط سے میڈیا تک پہنچنے والے یہ اشعار، شاعری کی صنف میں تو ''آزاد شاعری'' کہلاتے ہیں مگر ''کہنے والے سب ہی قید ہیں''......گویا صیاد ایک بار پھر خیالات، احساسات، جذبات اور نظریات کو مقید کرنے میں ناکام رہا......عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے وہ خانماں برباد اور حرماں نصیب قیدی......جو طالع آزماؤں کی سازش کا شکار بن کر گوانتاناموبے جیسے جہنم میں صرف ماضی کو یاد کرتے رہتے ہیں اور ایک کے بعد دوسری کال کوٹھڑی جن کا مسکن ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ مایوسی اور تاریکی جن کا مقدر ہے......ان کے جذبات جو کاغذی برتنوں پر مرقوم ہو کر پہرے داروں کے ہاتھ لگے......وہ انھیں خفیہ پیغامات کی ترسیل کا ذریعہ یا Code Words سمجھ بیٹھے اور اُن برتنوں کو اپنے تئیں تلف کر ڈالا مگر چند تحریریں کسی طرح اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب ہو ہی گئیں......ایسی ہی بے ربط و منتشر تحریروں کو جن پر شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ یونیورسٹی آف لووا پریس University of Lowa Press نے ایک کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل غلام شاعروں کی آزاد شاعری کا یہ مجموعۂ کلام انجام سے باخبر قیدیوں کا ایک پر وقار احتجاج ہے جس میں رعایتوں اور سہولتوں کی بھیک مانگی جا رہی ہے اور نہ کیے پر پشیمانی کا اظہار ہے......اس مجموعۂ کلام کو شعبۂ قانون سے تعلق رکھنے والے ایک امریکی پروفیسر مارک فیلکوف نے گوانتاناموبے میں اسیر قیدیوں ہی کے نام موسوم کیا ہے اور نام رکھا ہے ''خاردار تاروں میں قید میرے احباب''......امریکی محکمہ دفاع کی نظر میں تو یہ شاعری بھی خطرناک ہے کیوں کہ اس سے بیرونی دنیا کے لوگوں پر منفی اثر پڑے گا اور امریکی مفادات کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا......

اس شاعری کی اشاعت پر چند لوگوں نے پروفیسر فیلکوف کو طنز و استہزاء کا نشانہ بنایا، اُسے ڈرایا اور اس اقدام کے بھیانک نتائج سے بھی آگاہ کیا۔ یہ سب باتیں اس نے مجموعۂ کلام کے دیباچے میں تحریر کی ہیں......وہ لکھتا ہے کہ ''اگر قیدی یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں جیسے کہ عقاب علی الصباح پرواز کرتا ہے تو محکمہ دفاع کی نظر میں یہ لائق تعزیر جملہ ہے کیوں کہ اس سے بغاوت کی بو اور مستقبل میں کسی سازش کی منصوبہ بندی نظر آتی ہے مگر یہ لوگوں کے ضمیر کی آواز اور اُن کی دلی کیفیات کی عکاسی ہے، آزادیٔ اظہار انسانوں کا بنیادی حق ہے اور جلد یا بدیر سب ہی آزادی کا سورج ضرور دیکھیں گے'' ان نظموں کے

تخلیق کاروں میں وہ پاکستانی قیدی بھی ہیں جنھیں چند ہزار ڈالرز کے عوض امریکہ کو اس لیے فروخت کیا گیا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ ہر مسلم ملک کی نمائندگی اس قید خانے میں ہو اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھا...... ''قیدی رنگے ہاتھوں مل جائیں تو اچھا ہے ورنہ خرید کر الزام میں رنگ دو۔ انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ہر رنگ و نسل کے مسلمانوں کی چیخوں سے گوانتاناموبے کے سکوت کو توڑا جائے''......ایسی ہی کئی الم ناک داستانیں گوانتاناموبے کے در و دیوار میں پیوست ہیں کہ جن کی آہیں سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں......ان نظموں میں موسم بہار کے پھولوں سے محرومی کا ذکر ہے...... ہتھکڑیوں کو کنگن اور گجروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ غرض یہ کہ عجیب وغریب خیالات و استعارات کا اِن قیدیوں نے اپنی شاعری میں اظہار کیا ہے......الجزیرہ ٹی وی سے تعلق رکھنے والے سمیع الحاج نامی صحافی جس نے افغانستان کی جنگ کے دوران اپنی پیشہ وارانہ ذمے داریاں سرانجام دیں، اُسے بھی ۲۰۰۱ء میں امریکی حکام نے گرفتار کر کے پہلے تو قندھار میں بلگرام کے ہوائی اڈے میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر اسے گوانتاناموبے منتقل کر دیا گیا......آیئے! آج اُسی کی نظم پڑھتے ہیں:

جب میں درختوں پر کوئل کی کوک سنتا ہوں
تو آنسو آبشار کی طرح میرے رخسار پر بہنے لگتے ہیں
جب میں ننھے پرندوں کو چہچہاتے دیکھتا ہوں
تو میری گریہ وزاری میں مزید شدت آجاتی ہے
اے میرے بیٹے محمد! میں مخاطب ہوں تجھ سے
کہ تیرا مظلوم بابا رنج والم میں ڈوب چکا ہے
ٹوٹ چکا ہے
اور اللہ کے سوا اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں
غاصب تیرے بابا کی روح کے تاروں کو یوں چھیڑتے ہیں
گویا وہ کوئی ساز ہے
وہ مجھے ہر طرح کا لالچ دیتے ہیں
مگر زر و زمین تو کبھی میری خواہش نہ تھی
میری خواہش تو بس ایک ہی ہے
کہ میں ظلم کے یہ بندھن توڑ کے سارے
اپنے وطن کی آزاد فضا میں سانس لے سکوں
وہ مجھے کیا کیا ترغیب نہیں دیتے
اور میں پابند سلاسل، اپنے ہی ضمیر کا قیدی
یہ جان چکا ہوں
کہ ان کے سارے دعوے کھوکھلے ہیں

ان کے منہ سے منافقت کی بو آتی ہے
گو کہ وہ آزادی کی یادگار بنائے بیٹھے ہیں
اور پھر بھی نہیں جانتے کہ اظہارِ آزادی
مجسمۂ آزادی سے بہتر ہے
مگر یہ تلخ حقیقت ان گونگے بہروں کو کون بتائے
کہ صرف مجسمۂ آزادی بنا دینا انصاف نہیں
اے امریکہ!
تو ہماری زخمی شہ رگ پر کب تک سوار رہے گا؟
اور کب تک ہمیں ڈراتا دھمکاتا رہے گا؟
اے بش! یاد رکھ!
اللہ تک میری آہ و بکا پہنچ رہی ہے
مجھے یقین ہے کہ حق قریں ہے
ہاں! میں بے خانماں و برباد قیدی ہوں
دشمنوں کے قہر و غضب کا شکار پردیسی ہوں
اے میرے بیٹے محمد! میں تیرا بھی مجرم ہوں
لیکن میرے بیٹے مجھے معاف کر دینا
اور اپنے باپ کے لیے استقامت کی دعا کرنا
میں بیڑیوں میں پا بجولاں عبرت کا مرقع ہوں
اور شعر کیسے لکھوں کہ میری نغمگی چھن گئی ہے
اب تو میرے پاس اندھیری راتوں
اور بہتے اشکوں کے سوا کچھ نہیں ہے
میں شعر لکھ بھی کیسے سکتا ہوں
کہ میری روح میں تلاطم برپا ہے
موت کے مہیب سائے میرے سر پر منڈلا رہے ہیں
میرے مالک! میرے بچے محمد کو ٹوٹنے نہ دینا!
میرے مالک!
حق کو فتح مند کرنا!

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۱۴ر ستمبر ۲۰۰۷ء)